پشمینہ اور کشمیری شال کی کہانی

تاریخ کے آئینے میں

پشمینہ اور کشمیری شال کی کہانی بڑی دِلچسپ اور طویل ہے۔ یہاں شال بافی محض ایک دستکاری یا صنعت کا نام نہیں بلکہ ایک مُلک کی تہذیب اور ثقافت کے مشابہ ہے جس کے گرد دیو مالائی ہالہ ہے۔ کشمیر کی شالیں یورپ، روس، چین، مشرقِ وسطیٰ، ایران، ترکی، منگولیا برآمد ہوتی تھیں اور بہت پسند کی جاتی تھیں۔ پیرس، لندن، اصفہان، بغداد، قاہرہ، استنبول اور روس کا سابق دارالحکومت سینٹ پیٹرز برگ میں کشمیری شالوں کی منڈیاں تھیں۔ کشمیری شال مُغل بادشاہوں کی بیگمات، شہزادیوں، رومن دورِ حکومت میں قیصر کے دربار کی مقتدر خواتین، مغرب کی فیشن زدہ عورتیں، اُمراء، روساء اور شرفا کا مقبول پہناوا تھا۔ نپولین بوناپارٹ نے اپنی چہیتی بیوی اور مَلکۂ فرانس جوزفائین کو بطورِ تحفہ کشمیری شالیں دی تھیں۔ اٹھارہویں اور اُنیسویں صدیوں کے دوران لمبی مُدّت تک شال سماجی مرتبہ کی علامت تھی اور کہیں کہیں شاہی خاندان میں اسے استعمال کرتے تھے۔ سرکردہ اور مقتدر درباری، اُمراء اور روسا اِجازت لے کر شال پہنتے تھے۔

شال بافی کے لئے پشمینہ مغربی تبّت اور لداخ سے کشمیر درآمد ہوتا تھا۔ مغل بادشاہ اکبر نے شہتوس اور پشمینہ سے بنی شالوں کو ''پرم نرم'' یعنی نہایت ہی نرم کہا ہے۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ نے اپنی فتوحات کو ایک شال کے ڈیزائن میں اُجاگر کرایا اور شالبافوں کو بطورِ معاوضہ پانچ ہزار روپیہ دیا۔

اُنیسویں صدی میں انگریز مشاہدین نے کشمیری شال کی غیر معمولی شہرت کی نِسبت سے پشمینہ کو کشمیرا کے نام سے موسوم کیا اور یورپ میں یہی لفظ پشمینہ کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ انہیں شاید یہ غلط فہمی تھی کہ پشمینہ بھی کشمیر کی پیداوار ہے۔ ۱۸۲۳ء تک یورپ کو یہ عِلم نہیں تھا کہ پشمینہ اونٹ، بھیڑ یا بکری میں سے کسی سے حاصل ہوتا ہے۔ اسی سال فرانس میں ساٹھ صفحات پر مُشتمل ایک کتابچہ میں پشمینہ کے ماخذ کے مختلف حوالہ جات دیئے گئے لیکن حتمی طور مُصنّف کسی نتیجے پر نہیں پہنچا ہے کہ یہ کہاں سے آتا ہے۔ ڈاکٹر جینت رضوی کو جنہوں نے پشمینہ اور شال بافی پر تحقیق کی ہے۔ وہ مانتے ہے کہ کشمیری شال نے بعض اساطیری حکایات اور دیو مالائی روایات کو جنم دیا ہے۔

پنڈت آنند کول نے اپنی کتاب Geography of J&K میں مہابھارت کا حوالہ دیتے ہُوئے لِکھا ہے کہ جب شری کرشن جی پانڈووُں کے ایک نمائندہ کی حیثیت سے کورووُں کے دربار میں گئے تو انہوں نے دھرت راشٹر کی تجویز پر ایک پہاڑی مُلک میں بُنائی گئی ۱۸ ہزار شالیں پیش کیں۔ مُصنّف نے دعویٰ کیا ہے کہ یہ پہاڑی مُلک ظاہری طور کشمیر لگتا ہے۔ تورات میں پارچہ بافی کا تذکرہ ہے، جسے کشمیری شال سے تعبیر کیا گیا۔ ڈی۔این۔ در نے انجیل مُقدّس کا حوالہ دے کر لِکھا ہے کہ شال کی صنعت بہت قدیم ہے The Cashmera Shawl کے نام سے ایک دیو مالائی ناول لِکھا گیا ہے۔ جس سے یہ اِظہار ہوتا ہے کہ شال سے متعلق کتنا انوکھا خیال پایا جاتا تھا۔

ایک گمنام راوی نے لِکھا ہے کہ مونا لیزا کا پہنا ہُوا شفاف گھونگٹ درحقیقت کشمیری پشمینہ ہے جو اپنی عمدگی کے لئے بطورِ ثبوت ایک عورت کی انگوٹھی میں سے نکالا جاسکتا ہے''۔ البتہ ایسی شالیں بنائی گئی ہیں، جو ڈھاکہ کی مَلمَل کی طرح انگوٹھی میں سے نکالی جاسکتی تھیں۔ اسی طرح ہارون کی سنگی انسانی مورتیوں پر تراشے گئے کپڑے کشمیر کی شال سے منسوب کئے گئے ہیں۔

بطورِ خلعت یا انعام واکرام میں شال پیش کرنا عام رواج تھا۔ جینت رضوی نے لِکھا ہے کہ چودھویں صدی میں تغلق خاندان میں خلعت دینے کی رسم تھی۔ ۱۵۸۶ء میں اکبرِ اعظم نے کشمیر پر قابض ہونے کے بعد غالباً شال پیش کرنے کی رسم شروع کی تھی۔ تزکِ جہانگیری کے مطابق جہانگیر نے بطورِ عزت افزائی یا تحفہ بیس شالیں نذر کی تھیں۔ شالیں سنتوں، صوفیوں، درباریوں اور درویشوں کو پیش کی جاتی تھیں۔ شاہجہاں کے زمانے میں بھی یہ دستور رہا۔ رومی سلطنت سے متعلق ایک کتاب میں لِکھا ہے کہ رومی حکمران نیرو نے ایک یونانی کھلاڑی کو اعلیٰ کارکردگی کے لئے ایتھنز کے تاریخی سٹیڈیم میں بطورِ انعام ایک شال پیش کی۔ خدیو مصر نے نپولین بوناپارٹ کو کشمیری شال کی ایک جوڑی پیش کی، جو نپولین نے اپنی بیوی جوزفائن کو نذر کی۔ اسی طرح ٹیپو سلطان کے سفیر نے ۱۷۸۷ء میں فرانسیسی سفارتکار کو بطور تحفہ شالیں دی تھیں۔ ۱۸۳۷ء میں مہاراجہ رنجیت سنگھ کے پوتے کی شادی پر دُلہن کے جہیز میں کشمیری شالوں کی ۵۰۰ جوڑیاں تھیں۔ برطانوی ہند کے انگریز فوجی سربراہ سر ہنری فین کو جو شادی میں مہمانِ خصوصی تھا، ۱۵۰ دوشالے پیش کئے گئے جن میں (باقی صفحہ 9 پر)

اکیڈیمی مخطوطات سے

(اکیڈیمی کے مختلف دفاتر میں نادر و نایاب مخطوطات کا ایک بہت ھی قابلِ قدر ذخیرہ موجودھے۔ ذیل میں بعض مخطوطات کے تعارف اور وضاحتی اشاریه کا سلسله شروع کیا جا تا ھے تاکه اِس موضوع کے ساتھ دلچسپی رکھنے والوں کے لئے کارآمد ثابت ھو سکے۔)

دیوانِ مسعود بیگ

اُنتیس حروف تہجی پر مبنی مسعود بیگ کا منظوم فارسی دیوان ہے۔ مسعود بیگ کے متعلق علم نہ ہو سکا کہ کون شخص تھا۔ البتہ اس کا تعلق کم از کم دسویں صدی ہجری سے تھا۔ دیوانِ مسعود بیگ نعتیہ اور عاشقانہ غزلیات کا مجموعہ ہے۔ ہر حرف تہجی پر ایک یا ایک سے زیادہ غزلیات قلم بند کی گئی ہیں۔ دیوان کی قابلِ ذکر خصوصیت یہ ہے کہ شاعر نے غزلیات کے عنوانات حروف تہجی قرار دیئے ہیں اور ہر حرف تہجی کی غزلیات کے سلسلے میں سرخ روشنائی سے اس کی وضاحت کی گئی ہے۔

مضمون، شعر وادب، زبان فارسی، شاعر مسعود بیگ، تاریخِ نظم نا معلوم، تاریخِ کتابت اخیر پر دیمک خوردہ البتہ بوقت زوال روز یک شنبہ معرضِ تحریر میں آیا ہے۔ مخطوطہ کا نام اخیر پر کاتب کے الفاظ میں، جو نا معلوم ہے اس طرح درج ہے:

''تمت ہذالکتاب دیوان ملک زادہ خواجہ مسعود بیگ''

مخطوطہ شہر بہار میں روضۂ سلطان العاشقین، برہان عارفین میرزا سید قطب الدین تحریر ہوا ہے۔

مسعود بیگ کا اصلی نام احمد محمود نخشی تھا۔ دیوان کے خاتمہ پر اس سلسلے میں یہ شعر درج ہے:

مخصوص بہر خاص وعام است ایں کتاب
مسعود بک کہ احمد محمود نخشی

خطِ ثلث قدیم، تعداد اشعار فی صفحہ ۱۰ اشعار۔ متعدد مقامات بالخصوص اخیر پر مخطوطہ کرم خوردہ ہے لیکن حریرہ سے مرمت کی گئی ہے۔ تعداد اوراق ۸۹، صفحات ۱۷۸۔ تقطیع: ۱۱x۱۸ سنٹی میٹر۔ یہ اور پہلا مخطوطہ دونوں ایک جلد میں مجلّد ہیں۔ کاغذ غیر کشمیری۔

مسعود بیگ خود کو خسرو، سوہی، نظامی اور امامی کا مجموعہ یا پیرو سمجھتا تھا، مثلاً:

در مُلکِ صناعت شدہ ام غیرتِ خسرو
در حُسنِ غزل سعدی و در نظم نظامی
اصلند میان شعر میان و دگر فرع
ہم مقتدیانند تو مسعود امامی

مخطوطہ نایاب ہے اور کسی بھی مورخ یا تذکرہ نگار نے مسعود بیگ کا ذکر نہیں کیا ہے۔ یہ مخطوطہ ماسوائے کلچرل اکیڈیمی کے کہیں اور دستیاب نہیں۔

❀❀❀

اوم نامہ منظوم

شری رام چندر کے پیر شری بشسٹ کی تیرہ نصیحتوں کا مجموعہ۔ لیکن نصائح و پند کے آغاز سے قبل لفظ ''اوم'' کی منظوم تعریف ہے۔ یہ ہر ورق کا تاج، خدا کا اسم اعظم، گھر کی شمع اور روشنی جان وغیرہ ہے۔ اوم جامع اسماء وصفات باری تعالیٰ ہے۔ ''اوم نامہ منظوم'' میں بشسٹ کی تیرہ نصیحتیں یہ ہیں:

۱۔ پُران کا ورد اور تعلیم ۲......جبسِ نفس، ۳۔ شبد کا کلام خدا ہونا، ۴۔ نغمہ و ناقوس کی اہمیت، ۵۔ اسم وکلام نتیجۂ شبد ہے، ۶۔ برھم (برھما) اور اُس کی تعریف، ۷۔ احیاء کا مُفید ہونا، ۸۔ سوال ارجن بپیش شری کرشن، ۹۔ نورِ خدا کا بیان، ۱۰۔ انسان کی ذات کا خود چمن ہونا، ۱۱۔ بشسٹ کا رام چندر کو ترکِ دنیا کی تعلیم دینا، ۱۲۔ آتما اور اس کی اہمیت، ۱۳۔ معرفتِ تن۔

مضمون ہندو ویدانت (تصوف)، زبان فارسی منظوم بطرزِ مثنوی، مصنف نامعلوم زمانۂ تصنیف نا معلوم کاتب بلبدر ناگامی، تاریخِ کتابت ۱۸ ماہِ اسون ۱۹۸۲ بکرمی (۱۸۲۵ء) صفحات ۲۶۔ اسی کے ستھ ملحق نسخۂ بنوالی منظوم ہے۔

مضمون: ویدانت (تصوف) متعلق بہ وحدت الوجود، زبان فارسی بطرزِ مثنوی مصنف بنوالی رام مُتخلص بہ ولی، تاریخِ تصنیف ۱۹۸۲ بکرمی (۱۸۲۵ء)۔ کاتب بالک رام ساکن ناگام، کشمیر۔ ۱۹ کاتک ۱۹۸۴ بکرمی (۱۹۲۷ء) خط نستعلیق معمولی، کاغذ مشینی، سطور فی صفحہ ۲۱، تقطیع: ۲/۱x۲۰ ۲/۱x۳۴ سنٹی میٹر۔ صفحات ۵۵۔

آغاز:

اوم بود تاج سرِ ہر ورق　　اوم بود اعظمِ اسمائے حق

اختتام:

ہمانا بنا شیم محروم من　　ہما ثر نہ لکت تا شوم آرین

کاتب نسخۂ بنوالی کا اختتامیہ: تمام شد نسخۂ بنوالی بقلم بندۂ صغیر بالک رام ساکنہ ناگام سہو وخطا یم عطا فرمایند۔

مجموعہ چائے نامہ و رسالہ الوفق

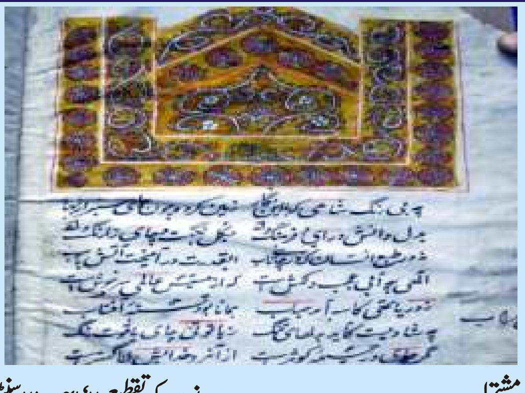

۱......چائے نامہ منشیانہ انداز میں چائے کی خوبی اور کشمیر میں اُس کی تاریخ کا بیان ہے۔ مصنف نے شروع میں چائے کے پتے چُننے والوں اور پھر ایک محبوب کی طرح اُس کے سروپا کا بیان بشکل مثنوی کیا ہے۔ اسی چائے نامہ کے ساتھ مختلط ''عرض نیاز'' کا ایک منظوم رسالہ ہے جو بشکل مثنوی حکایات اور مختلف النوع مضامین پر مشتمل ہے۔

مضمون تصوف، زبان فارسی، نظم ونثر، مصنف خواجہ نیاز احمد نقشبندی کشمیری علیہ رحمتہ، سال تصنیف ۱۲۲۸ھ (۱۸۱۳ء بعہد افغاناں) فقرہ ''عرضِ نیاز'' تاریخ ہے۔ کاتب غلام نبی، تاریخِ نقل جمعہ بوقت دو پہر، ۲۰ ذی الحجہ ۱۳۰۹ھ (۱۶ جولائی ۱۸۹۲ء) خطِ نستعلیق، عمدہ وصاف، کاغذ کشمیری، فولیو ۲۴، سطور فی صفحہ ۱۸۔

۲......رسالۂ الوفق شیخ عبداللہ ابن داوٗد بن علی بن داعر الموحی کی تصنیف ''الروض الائیق الجامع لانوار التوفیق'' پر مبنی ہے۔ رسالۂ الوفق ایک مقدمہ، دو مقالوں اور ایک خاتمہ پر مشتمل ہے۔ مضمون علمِ نجوم، زبان عربی، مصنف نا معلوم، ناقل و تاریخِ نقل نامعلوم، تاہم قیاس سے متذکرہ صدر غلام نبی اور تاریخِ کتابت کا زمانہ بھی تقریباً وہی۔ خط نستعلیق عمدہ وصاف، کاغذ کشمیری، فولیو ۶۳، سطور متذکرہ صدر۔

دونوں کی تقطیع: ۲۰، ۴۱x۲۵ سنٹی میٹر، شروع، الحمد اللہ علیٰ تواتر آلاءِ، اختتام: وصورتہا ہکذا ''عرضِ نیاز'' کے اخیر پر کاتب کا اختتامیہ:

کتاب ہذا من تصنیفات خواجہ صاحب مسمّٰی بہ نیاز احمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نوشتہ یوم جمعہ بوقت دو پہر روز بتاریخ ۲۰ ذی الحجہ ۱۳۰۹ ہجری از دست فقیر الحقیر پُر از تقصیر غلام نبی عفی عنہٗ الٰہی ہر آں کسکہ ایں خط نوشت عفو کن خطا و عطا کن بہشت۔

❀❀❀